آخری قسط

نہج البلاغہ کا استناد

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

(۳) جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ ہیں جنہوں نے اپنی عظیم الشان کتاب ''لسان العرب'' میں جو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ۲۰ جلدوں میں مصر میں شائع ہوئی ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات واجزاء کو کلام امیرالمومنینؑ تسلیم کیا ہے اوران تمام مقامات میں جن کا ذکر نہایہ ابن اثیر کے ذیل میں گذرا نہج البلاغہ کے فقرات کو پیش کر کے ان کے لغات ومفردات الفاظ کو حل کیا ہے۔

۴۔ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ ہیں جو اپنی مشہور کتاب قاموس میں نہج البلاغہ کے سب سے زیادہ مختلف فیہ بنائے جانے والے جز وخطبۂ شقشقیہ کو کلام امیرالمومنین تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لشقشقة بالكسر شىء كالرّية يخرجه البعير من فيه اذا هاج والخطبة الشقشقية العلوية لقوله لابن عباس رضى الله عنه لما قال له لواطردت مقالتك من حيث افضيت يا ابن عباس هيهات تلك شقشقة هدرت ثم قرّت۔

''شقشقہ بکسر شین ایک چیز ہے جو اونٹ کے منھ سے باہر آتی ہے غصہ اور ہیجان کے وقت پر اور حضرت علیؑ کا خطبہ شقشقیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپ سے خواہش کی ہے کہ آپ اپنے کلام کو جاری کیجئے اس مقام پر سے کہ جہاں تک پہونچا تھا تو آپ نے ابن عباس سے فرمایا: اب کہاں اے ابن عباس وہ ایک شقشقہ یعنی ''جوش کا نتیجہ'' تھا جو بلند ہوا اور اب ختم ہو چکا۔''

۵۔ شمس الدین یوسف بن قزغلی مشہور بسبط ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب تذکرہ خواص الامہ میں خطبہ شقشقیہ کو تمام وکمال درج کیا ہے اور قطعی طور سے کلام امیرالمومنین تسلیم کیا ہے۔

۶۔ ملاعلی قوشجی ہیں جو اپنی کتاب شرح تجرید میں بذیل شرح کلام محقق وافصحھم لسانا یعنی حضرت علیؑ تمام صحابہ میں فصاحت کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے تحریر کرتے ہیں۔

على مايشهد به كتاب نهج البلاغه وقال البلغآء ان كلامه دون كلام خالق وفوق كلام المخلوق۔''

جیسا کہ شاہد ہے اس کی کتاب نہج البلاغہ اور فصحا کا مقولہ ہے کہ کلام آپ کا خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر تھا۔

۷۔ محمد بن علی بن طباطبا معروف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب تاریخ الفخری فی الادب السلطانیہ والدول الاسلامیہ'' مطبوعہ مصر ص۹ میں لکھتے ہیں۔

عدل ناس الى نهج البلاغه من كلام اميرالمومنين على بن ابى طالب فانه الكتاب الذى يتعلم منه الحكم والمواعظ والخطب والتوحيد والشجاعة والزهد وعلو الهمة وادنى فوائد الفصاحة والبلاغه۔

بہت سے لوگوں نے کتاب نہج البلاغہ کی طرف توجہ کی جو امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے کلام سے ہے۔ کیونکہ یہی وہ کتاب جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور شجاعت اور زہد اور علوہمت ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا ایک ادنیٰ جوہر ہے فصاحت و بلاغت۔

۸۔ علامہ محدث ملا محمد طاہر فتنی گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں جو لکھنؤ مطبع نول کشور میں شائع ہو چکی ہے اکثر ان فقرات کو نہج البلاغہ کے جو نہایہ ابن اثیر سے نذر ناظرین ہو چکے درج کرتے ہوئے مندرجات نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنینؑ ہونے کی تصدیق کی ہے۔

۹۔ مفتی دیار مصریہ علامہ مصلح شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ جنہوں نے نہج البلاغہ کے تفسیری نوٹ اور حواشی تحریر کر کے اس کو انتہائی اہتمام سے مصر میں چھپوانے کا انتظام کیا۔ وہ اپنے اس مقدمہ میں جو شروع کتاب میں درج کیا ہے اپنی اس حیرت ودہشت کا اظہار کرتے ہوئے جو نہج البلاغہ کے حقائق آ گیں عبارات سے ان پر طاری ہوئی تحریر کرتے ہیں۔

کان یخیل لی فی کل مقام انّ حروبا شبت وغارات شنت وان للبلاغة دولة والفصاحة صولة وان للاوهام عرامة وللریب دعارة وان جحافل الخطابة و کتائب الذرابة فی عقود النظام وصفوف الانتظام تنافح بالصفیح الابلج والقویم الاملج وتثلج المهج برواضع الحجج فتفل دعارة الوساوس وتصیب مقاتل الخوانس فما انا الّا والحق منتصر والباطل منكسر ومرج الشك فی خمود وهرج الریب فی رکود وان مدبر تلك الدولة وباسل تلك الصولة هو حامل لوائها الغالب امیر المومنینؑ علی بن ابیطالبؑ۔

بل کنت کلما انتقلت من موضع الی موضع احس بتغیر المشاهد وتحول المعاهد فتارة کنت اجد فی عالم یعمره من المعانی ارواح عالیة فی حلل من العبارات الزاهیة تطوف علی النفوس الذاکیة وتدنو من القلوب الصّافیة توحی الیها رشادها۔ وتقوم منها مرادها وتنفربها عن مداحض المزال الی جواد الفضل والکمال وطور اکانت تتکشف لی الجمل عن وجوه باسرة وانیاب کاشرة وارواح فی اشباح النمور ومخالب النسور قد تحفزّت للوثاب ثم انقضت للا ختلاب فخلبت القلوب عن هواها واخذت الخواطر دون مداها واغتالت فاسد الاهواء وباطل الآراء واحیاناً کنت اشهد ان عقلا نورانیا لا یشبه خلقا جسدانیا فصل عن الموکب الالهیٰ واتصل بالروح الانسانی فخلعه عن غاشیات الطبیعةو سمابه الی الملکوت الاعلی ونمابه الی مشهد النور الا جلیٰ وسکن به الی عمار جانب التقدیس بعد استخلاصه من شوائب التلبیس وانات کانی اسمع خطیب الحکمة باعلیآء الکلمة واولیآء امرا لامة یعرفهم مواقع الصواب ویبصرهم مواضع الارتیاب ویحذرهم غرالق لاضطراب ویرشدهم الی دقائق السیاسة ویهدیهم طرق الکیاسة ویرتفع بهم الیٰ منصّات الریاسة ویصعدهم شرف التدبیر ویشرف بهم علی حسن المصیر۔

(اثنائے مطالعہ میں) مجھے ہر مقام پر معلوم ہوتا تھا کہ لڑائیاں شعلہ ور ہیں اور گیر ودار شدت پر ہے اور بلاغت کی فتح ہے اور فصاحت کا حملہ ہے اور توہمات کی شکست ہے اور شکوک کی رسوائی ہے اور یہ کہ خطابت کے افواج اور طلاقت لسان کی لشکر نظام کلام کی لڑیوں اور سلسلہ کی صفوں میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بل کھاتے ہوئے نیزوں کے ساتھ مصروف پیکار ہیں اور نتیجہ خیز

دلائل کے ساتھ دلوں کی تسکین کا باعث ہوکر وسوسہ انگیزیوں کو شکست دیتی اور باطل پرستیوں کی جان لیتی ہیں۔ مجھے تو کچھ نہیں نظر آتا تھا سوائے اس کے کہ حق کی فتح ہورہی ہے، اور باطل شکست اٹھا رہا ہے اور شک وشبہ کی آگ خاموش اور توہمات کی چپقلش سکون پذیر ہورہی ہے اور اس غلبۂ اقتدار کی مدبر اور اس حملہ کی شہسوار وہ غالب و قاہر علمبردار ہستی ہے جس کا نام ہے امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب بلکہ میں (اس کتاب میں) جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا تھا تو احساس کرتا تھا کہ کس طرح مناظر میں تبدیلی ہورہی ہے اور نقشوں میں انقلاب ہے کبھی تو میں اپنے کو ایک دنیا میں پاتا تھا جس میں معانی کے بلند پایہ ارواح عبارات کے خوشنما حلّوں میں آباد ہیں جو پاکیزہ نفوس کے اوپر گردش کرتے اور صاف ونورانی قلوب کے پاس جاکر ان پر ہدایت وارشاد کی وحی اتارتے اور ان کو ان کے مقصود سے دوچار کرتے اور ان کو لغزش وخطا کی پھسلنوں سے ہٹاکر فضل وکمال کے جادوں پر لگاتے ہیں اور کبھی میرے سامنے ایسے جملے آتے تھے جو معلوم ہوتا تھا کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے ڈرونی صورتوں میں دانت نکالے ہوئے ہیں۔ وہ روحیں ہیں شیروں کے پیکر میں اور شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ جو آمادہ ہیں حملہ کے اوپر اور پھر ٹوٹ پڑتے ہیں شکار پر وہ دلوں کو اپنی محبت سے موہ لیتے ہیں اور ضمیر پر قبضہ کرلیتے ہیں اور غلط خواہشات نفسانی اور باطل عقائد کو اچانک طور سے مار ڈالتے ہیں اور اکثر مجھے معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی عقل جو جسمانی مخلوق سے کسی طرح مشابہ نہیں ہے وہ جدا ہوئی الٰہی جلوس شاہی سے اور متصل ہوئی انسانی روح کے ساتھ اور جدا کردیا اس کو مادی حجابوں سے اور بلند کردیا اس کو عالم بالا کے ملکوت کی طرف اور پہنچا دیا اس کو دنیائے نور میں اور ساکن کردیا اس کو جوار قدس کا بعد اس کے خالص کردیا اس کو شکوک کی آمیزش سے اور بعض اوقات میں سنتا تھا حکمت ودانش کے خطیب کو کہ وہ آواز دیتا ہے مسموع الکلمہ مقتدر اشخاص اور امت اسلامیہ کے حکام اور ذمہ داران کو اور انھیں بتلاتا ہے صحیح راستے اور پتہ دیتا ہے خطرناک مقامات کا اور خوف دلاتا ہے تزلزل ولغزش کی جگہوں سے اور رہنمائی کرتا ہے سیاست کے رموز اور دانش کے راستوں کی طرف اور بلند کرتا ہے ریاست کے تخت اور اصابتِ رائے اور حسن تدبر کی شرف ومنزلت کے اوپر اور انھیں انجام بخیر ہونے کا طریقہ بتلاتا ہے۔

بیشک اس عبارت میں علامہ محمد عبدہ نے جس طرح نہج البلاغہ کے کلام امیرالمومنین ہونے کی تصدیق کی ہے اسی طرح اس کے مضامین کی حقیقت اور اس کے مندرجات کی سچائی کا بھی اعتراف کیا ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین حق کی فتح اور باطل کی شکست اور شکوک واوہام کی فنا اور توہمات ووساوس کی بیخ کنی کا سبب ہیں۔ اور وہ شروع سے آخر تک انسانی روح کے لئے روحانیت وانسانیت، قدس وطہارت، جلال وکمال کے تعلیمات کے حامل اور انسانی زندگی کے لئے بہترین ہدایت کا مخزن ہیں۔ ممکن ہے ہندوستانی مسلمانوں کا وہ طبقہ جو صرف مذہبی مباحثات ہی سے دلچسپی رکھتا ہے علامہ شیخ محمد عبدہ کی بلند شخصیت اور ان کی ذمہ دارانہ حیثیت سے واقف نہ ہو لیکن وہ اہل علم جو دوسرے ممالک اسلامیہ کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ اتصال اور دور حاضر کے علماء اسلام کے علمی کارناموں سے واقفیت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ علامہ محمد عبدہ اس دور آخر کے ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جو شرق عربی میں امام ''ومصلح'' مانے گئے ہیں اور جمہور اسلام کے سب سے بڑے مرکز علمی مصر میں ان کی مسلم الثبوت شخصیت کے نام پر علمی طبقہ کی گردنیں خم ہیں۔

انھیں نہج البلاغہ کے ساتھ وہ غیر معمولی عقیدت تھی کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ پر ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے۔

ان کا اعتقاد تھا کہ جامعہ اسلامیہ میں اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور عربی طلاب کے لئے بجائے اس کے وہ متداولہ ادبی کتابیں پڑھیں

اس کتاب کو اپنا قبلہ مقصد بنانا ان کی ذہنی ترقیوں کے لئے انتہائی مفید ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ اس کی عبارت ادبی حیثیت سے بہت بلند ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام ہے۔ اور معانی ومقاصد کے اعتبار سے بھی توجہ والتفات کا مستحق ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

لیس فی اهل هذه اللغة الا قائل بان کلام الامام علی بن ابی طالب هو اشرف الکلام و ابلغه ۔ بعد کلام الله تعالیٰ و کلام نبیه ۔ واغزره مادة وارفعه اسلوبا واجمعه لجلائل المعانی۔

عرب اہل زبان میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کلام خدا اور سول کے کلام کے بعد ہر کلام سے شرف وبلاغت میں زیادہ اور معنی خیز اور انداز بیان میں بلندتر اور بزرگ ترین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے۔

فاجدر بالطالبین لنفائس اللّغة والطامعین فی التدریج لما قها ان یجعلوا هذا الکتاب هم محفوظهم وافضل مأثورهم مع تفهم معانیه فی الاغراض الّتی جائت لاجلها وتأمل الفاظه فی المعانی الّتی صیغت للدلالة علیها لیصیبوا بذلك افضل غایة وینتهو الی خیر نهایة۔

لہٰذا عربی علم ادب کے نفیس ذخیروں کے طلبگاران اور اس کے بلند مرتبوں میں تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لئے بہترین ذریعہ ہے یہ کہ وہ اس کتاب کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ عطا کریں۔ اس کے ساتھ اس کے معانی کے سمجھنے کی کوشش بھی کریں ان مقاصد کے لحاظ سے جن کے لئے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لئے وہ الفاظ ڈھالے گئے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔

ناحق کوشی اور انصاف فراموشی ہوگی اگر اس بات کا اعتراف نہ کیا جائے کہ عالم اسلام کو جمہوری حیثیت سے نہج البلاغہ کے ساتھ روشناس کرنے کا سہرا صرف علامہ شیخ محمد عبدہ کے سر ہے جو ان کی ممتاز غیر متعصّبانہ ذہنیت، فراخ حوصلگی اور بلند نظری کا نتیجہ تھا ورنہ سواد اعظم کا تو یہ عالم ہے کہ خاص اہلسنت کی کتابیں جو فضائل اہلبیت سے متعلق ہیں جیسے تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ۔ مطالب السئول کمال الدین ابن طلحہ شافعی کفایۃ المطالب حافظ گنجی شافعی فصول مہمہ ابن صباغ مالکی۔ مناقب اخطب خوارزم وغیرہ وغیرہ۔ انھیں چاہے شیعوں نے ایران میں شائع کر دیا ہو لیکن جمہور مسلمین کے مطابع نے ان کے طبع واشاعت کو پسند نہیں کیا۔ پھر چہ جائیکہ حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کا کلام جو ایک شیعی عالم کا جمع کردہ ہے لیکن وہ علامہ محمد عبدہ کی بلند نظری اور حقیقت شناسی تھی جس نے ان چیزوں کی پرواہ نہیں کی اور یہ ان کی بلند شخصیت تھی اور نیز خلوص نیت جس نے انہیں کامیابی عطا کی اور شرق عربی کے بلند علمی طبقہ کو عموماً اس کتاب کے سامنے سرنگوں کر دیا اور اس وقت مصر و بیروت ایسے اسلامی مرکزوں میں اس کتاب کو وہی اہمیت حاصل ہے جو اسے حقیقتاً ہونا چاہئے۔

ہندوستان کے مسلمان خصوصاً وہ طبقہ جو باہمی مناقشات سے دلچسپی رکھتا ہے جس کی مثال گولر کے کیڑوں کی ہے اور جو ایک انتہائی تنگ نظری کی محدود فضا میں مقید ہے۔ وہ نہج البلاغہ کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ ایک شیعی کتاب ہے اور اس لئے صرف اتنا فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بخیال خود بعض عبارتیں اپنے مفید مطلب پائیں انھیں شیعوں کے مقابلہ میں بطور استدلال پیش کریں اور بس۔ اس کے علاوہ وہ اس کے حقیقی فیوض وبرکات سے بالکل محروم ہیں لیکن دنیائے اسلام کی آزاد خیال جمہوریت اس وقت نہج البلاغہ سے بہترین فیوض حاصل کر رہی ہے اور وہ اس کو اپنا بہترین دلیل راہ اور چراغ منزل سمجھتی ہے یقینا اس کا سنگ بنیاد علامہ شیخ محمد عبدہ کا رکھا ہوا ہے۔

انھوں نے نہ صرف یہ کہ کتاب پر حواشی لکھ دیئے اور اسے طبع کرا دیا بلکہ وہ اپنی گفتگوؤں میں اور دوسرے لوگوں کے

ساتھ اظہار خیالات میں بھی برابر اس کتاب کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجلہ ''الہلال'' مصر نے اپنی جلد ۳۵/ کے جز وہ اول بابتہ نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۸۷ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لئے شائع کئے تھے جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ:۔

ماھو الکتاب اوالکتب الّتی طالعتموھا فی شبابکم فافادتکم وکان لھا اثر فی حیوتکم۔

وہ کون سی کتاب یا کتابیں ہیں جن کا آپ نے اپنے شباب میں مطالعہ کیا تو انھوں نے آپ کو فائدہ پہونچایا اور ان کا آپ کی زندگی پر اثر پڑا؟

اس سوال کا جواب جو استاد شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق نے دیا ہے اور شمارۂ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۵۰ پر شائع ہوا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔

طالعت بارشاد الاستاذ المرحوم الشیخ محمد عبدہ دیوان الحماسة، ونہج البلاغه۔"

میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

عبدالمسیح انطاکی نے بھی جن کی عبارت اس کے بعد آئے گی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے مجھ سے فرمایا'' اگر تم چاہتے ہو کہ انشاء پردازی کا درجہ حاصل کرو تو امیر المومنین حضرت علیؑ کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے کلمات کو اپنے لئے چراغ ہدایت قرار دو۔

موصوف کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام وکمال امیر المومنینؑ کا کلام ہے اتنا واضح ہے کہ ان کے تمام شاگرد جو اس وقت مصر کے بلند پایہ اساتذہ ہیں اس حقیقت سے واقف ہیں اور خود ان کا مذکورۂ سابق مقدمہ نیز ان کے اکثر حواشی اس حقیقت کے بالکل واضح طور پر آئینہ بردار ہیں چنانچہ استاذ محمد محی الدین عبدالحمید مدرس کلیہ لغۃ عربیہ جامع ازہر جن کے خود خیالات ان کی عبارت میں اس کے بعد پیش ہوں گے کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

عسیت ان تسأل عن رأی الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ فی ذلك وھو الذی بعث الکتاب من مرقدہ ولم یکن احد اوسع منه اطلاعا ولا ادق تفکیرا والجواب علی ھذا التساؤل انا نعتقد انه رحمه الله کان مقتنعا بان الکتاب کله للامام علی رحمه الله وان لم یصرح بذالك والدلیل علی ھذہ العقیدۃ انه یقول فی مقدمة نصف الکتاب، وان مدبر تلك الدولة وباسل تلك الصولة ھو حامل لوائھا الغالب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب، بل ھو یتجاوز ھذا المقدار الی الاعتراف بان جمیع الالفاظ صادرۃ عن الامام علی حتی انه لیجعل مافی الکتاب حجة علی معاجم اللّغة اسمع الیه وھو یقول رج۲رص۱۹۷/ من ھذہ المطبوعة "المواساۃ بالشئی: الاشتراك فیه۔۔۔ قالو! والفصیح فی الفعل آسیته ولکن نطق الامام حجة، آھوا عادھذہ الکلمة بنفسھا۔

[جلد ۳ ص ۱۸۲ الحاشیہ من ھذہ المطبوعۃ]

ممکن ہے تم اس مسئلہ میں استاذ شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرو جنہوں نے اس کتاب کو خواب گمنامی سے بیدار کیا اور وسعت اطلاع اور باریک نگاہی میں کوئی شخص ان سے زیادہ موجود نہیں تھا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام وکمال امیر المومنین کا کلام سمجھتے تھے اگر چہ انھوں نے اس کی تصریح نہ کی ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس (ادبی) سلطنت کی فرمانروا اور اس حملہ کی شہسوار وہ غالب وقاہر علمبردار ہستی ہے جس کا نام ہے امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ خصوصیات الفاظ کو بھی حضرت علیؑ کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ وہ کتاب کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی عام کتابوں کے مقابلہ میں سند قرار دیتے

ہیں۔ ملاحظہ ہو (جلد ۲ صفحہ ۱۹۷) اس اڈیشن کا وہ فرماتے ہیں ''مواساۃ'' کسی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کے فعل میں فصیح آسیتہ کی لفظ ہے (ہمزہ کے ساتھ) مگر امام کا تلفظ حجت ہے اس طرح کا استناد انھوں نے (جلد ۳ صفحہ ۲۷ حاشیہ نمبر ۴ میں بھی کیا ہے)

۱۰۔ ملک عرب کے مشہور مصنف ''خطیب'' انشاپرداز عالم شیخ مصطفیٰ غلائینی استاذ التفسیر واللّغۃ والآداب العربیۃ فی الکلیۃ الاسلامیۃ (بیروت) اپنی کتاب ''اریج الزہر'' میں زیر عنوان نہج البلاغہ او اسالیب الکلام العربی ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:۔

من احسن ماینبغی مطالعته لمن یتطلب الاسلوب العالی الی کتاب نهج البلاغة للامام علی رضی الله عنه وهو الکتاب الذی انشأت هذا المقال لا جله فان فیه من بلیغ الکلام والاسالیب المدهشة والمعانی الرائقة ومنا حی الموضوعات الجلیلة مایجعل مطالعه اذا زاوله مزاوله صحیحة بلیغا فی کتابته وخطابته ومعانیه کان هذا الکتاب درّة فی صدف بعض المکتبات حتی ایتح لشیخنا المرحوم الاستاذ الامام الشیخ محمد عبده مفتی الدیار المصریة رضی الله عنه ان یطلع علیه ویبرزه الی عالم المطبوعات لیکون استاذا للمنشئین ورائد البلغآء وقد علق علیه شرحا جزیل الفائدة کبیر المغزی وقد طبع الکتاب بضع مرات مشروحا بقلم الاستاذ علیه الرحمة۔ فاستفاذمنه اقوام کثیرون منهم کاتب هذه السطور فالیٰ اقتنآء هذا الاثر العظیم یا طلاّب الاسلوب العالی وروّادالکلام البلیغ فان فیه ماترغبون۔

ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں بہترین چیز جس کا مطالعہ لازم ہے اس شخص کو جو زبان عربی کے بلند معیار تحریر کو حاصل کرنا چاہے کتاب نہج البلاغہ ہے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی اور یہ کتاب وہ ہے جس کے لئے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز طرز تحریر اور جاذب نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات و مقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کو اگر صحیح ذوق رکھتا ہو اور پورے طور سے اس کی مزاولت رکھے تو فصیح و بلیغ انشاپرداز اور مقرر بنا سکتے ہیں۔ یہ کتاب بعض کتبخانوں میں مثل صدف کے اندر پوشیدہ موتی کے مضمر اور پنہاں تھی یہاں تک کہ ہمارے استاد مرحوم امام شیخ محمد عبدہ مفتی دیار مصریہ کو توفیق شامل حال ہوئی اور انھوں نے اس کتاب پر مطلع ہوکر اس کو عالم مطبوعات میں نمایاں کیا تاکہ یہ ارباب انشاء اور فصحا و بلغاء کی استاد قرار پائے اور انھوں نے اس کتاب پر ایک پرفائدہ شرح بھی بطور فٹ نوٹ حاشیہ کے تحریر کی۔ یہ کتاب موصوف کی شرح سمیت چند مرتبہ طبع ہوچکی ہے اور اس سے بہت لوگوں کو فائدہ پہونچا جن میں سے کاتب الحروف بھی ہے۔ میں دعوت دیتا ہوں اس یادگار کتاب کی طرف ان لوگوں کو جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے طالب اور کلام بلیغ کے مشتاق ہیں وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔

۱۱۔ استاذ محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق نے الہلال کے چار سوالات کے جواب میں جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ

ماهی الکتب الّتی تنصحون لشبّان الیوم بقراتها۔

وہ کون سی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے کی آپ موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو ہدایت کرتے ہیں۔

اسی سوال کے تحت میں لکھا ہے۔

اذا طلب البلاغة فی اتم مظاهرها الفصاحته التی لم قشبها عجمة فعلیك بنهج البلاغه دیوان خطب امیرالمومنین علی بن ابی

طالب ورسائله الی عماله (یرجع الی فصل الانشاء والمنشئین فی کتابی " القدیم والحدیث " طبع بمصر ۱۹۲۵ء) وشرح استاذی الشیخ محمد عبدہ علیه وان بالغرض من حیث اللغة والادب اما شرح ابن ابی الحدید فلا یسع طالب العلم الاّ مدار سته علی مایری استاذی الشیخ سلیم البخاری فان فیه فصولا ممتعة فی اخبار الصدر الاول ومابعده وفی الادب والشعر والخطب لایستغنیٰ عنها باحث مستفید۔

اگر بلاغت کا مکمل ترین مظاہرہ اور وہ فصاحت دیکھنا ہو جس میں عجمیت کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہے تو تمہیں نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنا چاہئے جو امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے خطبوں اور خطوط کا جو اپنے عالموں کے نام لکھے ہیں مجموعہ ہے (تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''قدیم وحدیث'' کے فصل ''انشاء وانشاء پردازان'' ملاحظہ ہو۔ یہ کتاب مصر میں ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی ہے)اور ہمارے استاد شیخ محمد عبدہ کی شرح جو نہج البلاغہ پر ہے وہ حل لغات اور ادبی نکات کے لحاظ سے مطلب برآری کے لئے کافی ہے۔لیکن ابن ابی الحدید کی شرح وہ ایسی چیز ہے کہ میرے استاذ شیخ سلیم بخاری کی رائے کے موافق طالبعلم کے لئے اس کو درسی حیثیت سے پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں صدر اول اور اس کے بعد کے تاریخی واقعات نیز ادب، شعر اور خطبوں کا ایک انتہائی مفید ذخیرہ موجود ہے جس سے کوئی تحقیق شیوہ طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا۔

یہ جواب ''الہلال'' کے جلد ۳۵ کے جزء ۵ بابت مارچ ۱۹۲۷ء میں صفحہ ۲۷۵ پر شائع ہوا ہے۔

۱۲۔استاذ محمد محی الدین عبدالحمید المدرس فی کلیہ اللغۃ العربیہ بجامع الازہر جنھوں نے نہج البلاغہ پر تعلیقی حواشی تحریر کیے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی کو برقرار رکھتے ہوئے خود بہت سی تحقیقات وشروح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامۃ مصر میں طبع ہوئی ہے انھوں نے اس ایڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں نہج البلاغہ کے استناد واعتبار پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ہم اس کے ضروری اجزا یہاں پر درج کرتے ہیں۔

وبعد فهذا کتاب "نهج البلاغه" وهو مااختاره الشریف الرّضی ابوالحسن محمد بن الحسن الموسوی من کلام امیرالمومنین علی بن ابی طالب وهو الکتاب الذی جمع بین دفتیه عیون البلاغة وفنونها وتهیات به للناظر فیه اسباب الفصاحة ودنامنه قطافها اذکان من کلام افصح الخلق بعد الرسول صلی الله علیه وسلم منطقا واشدهم اقتدارا وابرعهم حجة واملکهم للّغة یدیرها کیف شاء، الحکیم الذی تصدر الحکمة عن بیانه والخطیب الذی یملأ القلب سحر لسانه العالم الذی تهیّأ له من خلاط الرسول وکتابة الوحی والکفاح عن الدین بسیفه ولسانه منذ حداثته مالم یتهیا لاحد سواه۔ هذا الکتاب "نهج البلاغة" وانا به حفی منذ طرائة السن ومیعة الشباب فلقد کنت اجد والذی کثیر القراء ة فیه وکنت اجد عمی الاکبر یقضی معه طویل الساعات یردّد عباراته و یستخرج معانیها ویتقبل اسلوبه وکان لهما من عظیم التأثیر لهما من عظیم لتأثیر علیٰ نفسی ماجعلنی اقفوا اثرهما فاحله من قلبی المحلّ الاوّل واجعله سمیری الذی لایمل وانیسی الذی اخلو الیه اذاعز الانیس۔

یہ کتاب ''نہج البلاغہ'' کلام امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا وہ انتخاب ہے جسے شریف رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے جمع کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اپنے اندر بلاغت کے نمایاں

خصوصیات اوراس کے ہنروں کو لئے ہوئے ہے اور دیکھنے والے کے لئے اس میں تمام اسباب فصاحت کے فراہم ہیں اور ثمرہ اس کا سامنے موجود ہے اس لئے کہ یہ اس بزرگ کا کلام ہے جو رسول اللہؐ کے بعد تمام خلق خدا میں فصاحت گفتار اور قدرت کلام اور قوت استدلال میں سب سے زیادہ تھا اور لغات عرب پر سب سے زیادہ قابو رکھتا تھا کہ جس صورت سے چاہتا تھا انھیں گردش دیتا تھا۔ وہ حکیم کامل جس کے بیان سے حکمت کے سبق حاصل ہوتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے۔ وہ عالم جس کے لئے رسولؐ کے ہر وقت کے ساتھ اور روحی کی کتابت اور شمشیر و زبان دونوں سے دین کی نصرت کے کمسنی ہی سے وہ خصوصیات حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کے لئے حاصل نہیں تھے۔

یہ ہے کتاب نہج البلاغہ۔ اور مجھے اپنے زمانۂ کمسنی اور ابتدائے جوانی سے اس کتاب کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے کیونکہ میں اپنے والد کو دیکھتا تھا کہ وہ اکثر اس کتاب کو پڑھا کرتے ہیں اور اپنے بڑے چچا کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ وہ گھنٹوں اس کتاب کے عبارات کو پڑھتے رہتے اور اس کے معانی کو سمجھتے رہتے اور اس کے انداز بیان پر غور کرتے رہتے تھے ان دونوں بزرگوں کے میرے دل میں اثر کا نتیجہ تھا کہ میں نے بھی ان کی اقتداء کی اور اس کتاب کو اپنے قلب میں سب سے پہلا درجہ عطا کیا اور اس کو اپنا مونس تنہائی قرار دیا جو کسی مونس و ہمدم کی عدم موجودگی میں میری دلبستگی کا باعث ہو۔

اس کے بعد علامہ شیخ محمد عبدہ کی رائے اس کتاب کے متعلق اور جامع نہج البلاغہ شریف رضی کا تبصرہ جو انھوں نے اپنے مقدمۂ کتاب میں کتاب کی امتیازی خصوصیت کے متعلق کیا ہے نقل کرتے ہوئے فاضل محشی نے اس پر اظہار خیال کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ولیس من شك عند احد من ادبآء هذا العصر ولاعند احد ممن تقدمهم فی ان اکثر ما تضمّنه "نهج البلاغه" من کلام امیرالمومنین علیه السلام نعم لیس من شك عند احد فی ذلك ولیس من شئ عند احد فی ان ما تضمنه الکتاب جاد علی النهج المعروف عن امیرالمومنینؑ موافق للاسلوب الذی یحفظه الادبآء والعلمآء من کلامه الموثوق بنسبته الیه ولکن بعض المعروفین من ادبآء عصرنا یمیلون الی ان بعض مافی الکتاب من خطب ورسائل لم یصدر عن غیر الشریف الرضی جامع الکتاب هو منشئه وهو مدعی نسبته الی الامام۔

موجودہ زمانے کے اور نیز اس کے قبل کے ادباء میں سے کسی کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر حصہ اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں مندرج ہے امیرالمومنینؑ کا کلام ہے۔ ہاں اس میں کسی ایک کو بھی شک نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شک ہے کہ جو کچھ اس میں درج ہے وہ اسی طریقہ پر ہے جو جناب امیرؑ کا عام طور سے معلوم ہے اور اس انداز بیان کے موافق ہے جو ادباء علماء نے محفوظ کیا ہے حضرت کے اس کلام سے جس کی نسبت آپ کی طرف قابل وثوق طریقہ سے ثابت ہے لیکن ہمارے زمانہ کے بعض مشہور ادباء کا میلان اس خیال کی طرف ہے کہ بعض خطبے اور خطوط جو اس کتاب میں درج ہیں وہ سید رضی جامع نہج البلاغہ ہی کی تالیف ہیں اور ان ہی کے انشا کئے ہوئے ہیں اور خود انھوں نے ہی ان کی نسبت کا امام کی طرف دعویٰ کیا ہے۔

اس جماعت کے خیالات درج کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں۔

واهم مایجده باحثوا الأداب العربیه فی هذا العصر من اسباب یدعمون بها القول بان الکتاب من صنع جامعه وتألیفه ذلك الذی نوجزه لك فی الاسباب الاربعة الأتیة۔

الاول: ان فی الکتاب من التعریض بصحابة

رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم مالا یصح ان یسلم صدوره عن مثل الامام علی کما تراه فی ثنایا الکتاب من سباب معاویة وطلحة والزبیروعمر وبن العاص ومن ذهب الی تأئیده والدفاع عن سیاستهم۔

الثانی۔ان فیه السجع والتنمیق اللفظی وآثار الصنعة مالم بعهده عصر علیؑ ولا عرفه وانما ذلك شئی طرأ علی العربیة بعد العصر الجاهلی وصدر الاسلام وافتتن به ادباء العصر العباسی و الشریف الرضی جآء من بعد ذلك علی ما الفوه فصنف الکتاب علی نهجهم وطریقتهم۔

الثالث، ان فیه من دقة الوصف واستفراغ صفات الموصوف واحکام الفکرة وبلوغ النهایة فی التدقیق کماتراه فی وصف الخفاش۔ (۱) والطاوس (۲) والنملة (۳) والجرادة (۴) وکل ذلك لم یلتفت الیه علماء الصدر الاول ولا ادباؤه وشعر اؤه وانما عرفه العرب بعد تعریب کتب الیونان والفرس الادبیة والحکمیة۔ ویدخل فی هذاالسبب استعمال الالفاظ الاصطلاحیة التی عرفت فی علوٗ ا الحکمة من بعد کاالا ین والکیف ونحوهما و کذلك استعمال الطریقة العددیة فی شرح المسائل وفی تقسیمات الفضائل الرذائل مثل قولة الاستغفار علی ستة معان(۵) .... الایمان علی اربع عائم (۶) الصبر۔ الیقین والعدل والجهاد والصبر منها علی اربع شعب...

الرابع ان فی عبارات الکتاب مایشم منه ریح ادّعآء صاحبه علم الغیب وهذا امر یجلّ عن مثله مقام علی ومن کان علیؑ شاکلة علی ممن حضر عهد الرسالة ورأی نور النّبوة۔

(یعنی) سب سے بڑے اسباب جو اس کتاب کے کلام امیرالمومنین ہونے کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف چار ہیں جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ کہ اس کتاب میں اصحاب رسول اللہ کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا کسی طرح حضرت علی سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔خصوصاً معاویہ،طلحہ،زبیر،عمروبن العاص اوران کے اتباع کے بارے میں توسب وشتم تک موجود ہے۔

(۲) اس میں لفظی آرائش اورعبارت میں صنعت آرائی اس حد پر ہے جوحضرت علیؑ کے زمانہ میں نایاب تھی۔

(۳) اس میں تشبیہات واستعارات اور واقعات واوصاف کی صورت کشی اتنی مکمل ہےجس کا صدراول اسلام میں بالکل پتہ نہ تھااس کےساتھ حکمت اورفلسفہ کی اصطلاحی لفظیں نیز مسائل کے بیان میں حساب کا طریقہ یہ تمام باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

(۴)اس کتاب کی اکثرعبارتوں سےعلم غیب کےادعا کا پتہ چلتاہے جوحضرت علی ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

موصوف ان خیالات کورد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لسنا علم الله ممن یری فی هذه الاسباب مجتمعة او منفردة دلیلا او شبه دلیل علی ماذهب الیه انصار هذه الفکرة وقد نغالی اذا نحن اعتبرنا ها شبها تعرض للبحث ویتکلف الباحث ردها۔

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا دلیل کی صورت بھی اس دعوی کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہاہے بلکہ یہ بھی زیادتی ہوگی کہ ہم انھیں ایسے شبہات کا درجہ عطا کریں جو بحث وتحقیق میں سدراہ ہوتے ہیں اورجن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اس کے بعد انھوں نے ایک ایک کر کے ہر دلیل کورد بھی کیا ہے۔

پہلی دلیل کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے سرپرست، چچا زاد بھائی اور خسر حضرت رسولؐ کا صدمہ اٹھانا پڑا اس وقت جب آپ کی عمر تیس برس یا اس سے کچھ زائد تھی۔ وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی امنگیں معلوم ہیں۔ اس کے ساتھ آپ میں اصابت رائے تبحر علمی، باریک نظری اور حسن عمل کے وہ تمام خصوصیات موجود تھے جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جاسکتے تھے۔ اور پھر نصرت دین میں آپ کے وہ کارنامے خاص طور سے سرمایۂ ناز تھے جو آپ نے رسالتمآبؐ کی زندگی میں انجام دیے تھے۔ اس صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کی قسمت کے فیصلہ میں آپ کو شریک مشورہ کرلیا جائے لیکن حالات ایسے فراہم ہوئے کہ آپ رسول کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے اور وہاں آپ کی عدم موجودگی میں فیصلہ کرلیا گیا۔

اس صورت میں باہمی ایک طرح کی رنجش کا پیدا ہوجانا قدرتی حیثیت سے ایک ضروری امر ہے۔

اس کے بعد معاویہ نے آپ سے کھلم کھلا مقابلہ کیا اور جنگ کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ادبا جب حضرت علی کی شمشیر کشی کو ان لوگوں کے مقابلہ میں تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان کو اس لفظی سخت کلامی سے جو ان لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں عذر کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ کے کلام میں جو اشارے پہلی صورت (خلفاء ثلاثہ کے حالات) سے متعلق ہیں وہ نسبۃً نرم وملائم ہیں اور دوسرے موقع پر آپ کے تصریحات بہت سخت ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ کتاب میں مسجع وقافیہ کی پابندی اس حد تک ہرگز نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظر انداز کردیا گیا ہو بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اس کے مسجع وقافیہ میں آمد کی صورت نظر آتی ہے اور آورد نہیں ہے۔ اس طرح کی صورت اس زمانہ میں بھی موجود تھی اور جو شخص جانتا ہو کہ علی بن ابی طالب کا فصاحت وبلاغت میں کیا درجہ تھا اسے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔

اسی سے تیسری دلیل کی کمزوری بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔ یہ کون کہتا ہے کہ باریک خیالی اور خوش بیانی اور وصف وتشبیہ کا حسن کسی قوم کا مخصوص حصہ ہے اور اگر ایک عرب، وہ بھی قریش کا انسان اور وہ جس نے قرآن کی فصاحت کو دیکھا ہو اور افصح العرب رسول کے ساتھ ابتدائے عمر سے رہا ہو وہ اس کمال کا مظاہرہ کرے تو قابل تسلیم نہیں ہے!

چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علیؑ ایسے حکیم اسلام سے بعید نہیں ہے۔

یہ تصریحات ہیں اکابر علمائے اہلسنت کے جنھوں نے نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنینؑ تسلیم کیا ہے۔ غیر مسلم مصنفین میں سے بھی دو شخصوں کی تحریر اس وقت میرے پیش نظر ہے جنھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور نہج البلاغہ کی صحت اسناد کی گواہی دی ہے۔

(۱) عبدالمسیح انطا کی صاحب جریدۃ ''العمران'' مصر جس نے امیر المومنینؑ کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب ''شرح قصیدہ علویہ'' تحریر کی ہے اور وہ مطبع رعمسیس فجالہ مصر میں شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب کے ص ۵۳۹ پر تحریر کرتے ہیں۔

لاجدال ان سیدنا علیا امیرالمومنینؑ هوامام الفصحآء واستاذ البلغآء واعظم من خطب و کتب فی عرف اهل هذه الصناعة الالبآء وهذا کلام قد قیل فیه بحق انه فوق کلام الخلق وتحت کلام الخالق قال هذا کل من عرف فنون الکتابة واشتغل فی صناعة التحبیر والتحریر بل هوا ستاذالکتاب العرب ومعلمهم بلا مرآء فما من ادیب البیب حاول اتقان صناعة التحریر الاّ وبین یدیه القرآن ونهج البلاغه ذلك کلام الخالق هذا کلام اشرف المخلوقین وعلیهما یعوّل فی

التحرير والتبحير اذا ارادان يكون فی معاشر الكتبة المجيدين ولعل افضل من خدم لغة قريش الشريف الرضی الذی جمع خطب واقوال وحكم ورسائل سيدنا اميرالمومنين علیہ السلام من افواه الناس واما ليهم واصاب كل الاصابة باطلاقه عليه اسم نهج البلاغة وماهذا الكتاب الا صراطها المستقيم لمن يحاول الوصول اليها من معاشر المتأ دّبين ولعل احسن صف وقرأته لنهج البلاغه قول الاستاذ الكبير الفيلسوف الشيخ محمد عبده المصری رحمة الله فقد وصف ماكان يشعر به وهو بين يديه تلك الدر الحسان المزرية بعقود الجمان۔

اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیؑ فصحاء کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور وہ تمام ان لوگوں میں کہ جنھوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال دکھایا سب سے زیادہ جلیل المرتبہ اور بڑا درجہ رکھتے ہیں ان کا کلام ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق سچی بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام خلق خدا کے کلام سے بالا اور بس خالق کے کلام کے ماتحت ہے۔ یہ ہر اس شخص نے کہا ہے کہ جو انشا پردازی کے فنون سے واقف اور تقریر وتحریر کے فن میں ماہر ہے۔ حضرت تمام عرب انشا پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی باخبر ادیب جو انشا پردازی کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا نہ ہوگا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود نہ ہوں وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف المخلوقین کا کلام اور وہ انہی دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے اگر اچھا انشاء پرداز اور ادیب بننا چاہتا ہے شاید ان لوگوں میں کہ جنھوں نے قریش کی زبان (عربی) کی خدمت کی ہے سب سے بڑا درجہ شریف رضی کو حاصل ہے جنھوں نے حضرت علیؑ کے خطبے اقوال، حکم اور خطوط کو جمع کیا ہے، لوگوں کے محفوظات اور تحریرات سے اور بیشک انھوں نے بہت ٹھیک رکھا ہے اس کا نام ''نہج البلاغہ'' یہ کتاب حقیقۃً صحیح راستہ ہے اس شخص کے لئے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو اور غالباً بہترین توصیف جو میری نظر سے گذری ہے نہج البلاغہ کی وہ قول ہے استاد کبیر فیلسوف شیخ محمد عبدہ مصری کا جنھوں نے اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار کیا ہے اس موقع پر جب وہ ان نایاب بیش بہا موتیوں کے سامنے تھے جو زر و جواہر سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ ابن عبدہ کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جو ہم اس کے قبل نذر ناظرین کر چکے ہیں اور اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

هذا مارأه الاستاذ الامام رحمة الله وما شعر به وهو مجدّ فی درس نهج البلاغة سائر اليها فلا عجب اذا فاز منها بالنصيب الا علی فكان افصح من كتب فی المتأ خرين وقد قال لی رحمة الله مرة اذا رمت ان تكون كاتبا فخذ الامام اميرالمومنين علیہ السلام عليه صلوات الله استاذا واتخذا قواله الدّرية فی ظلمات ليلك نبرا ساء وذ كر مرة الی المرحوم الشيخ ابراهيم اليازجی الكتاب كتاب العرب وامام اساتذة اللغة فيهم فی العهد الاخير بالاجماع قال مااتقنت الكتابة الاّ بدرس القرآن العظيم ونهج البلاغة القويم فهما كنزالعربية الذی لاينفدو ذخيرتها للمتادب وهيهات ان يظفر اديب بحاجبة من هذه اللغة الشريفة ان لم يحی لياليه سهرا فی مطالعتها والتبحر فی عالی مطالبها۔

یہ رائے ہے جس کا استاذ امام (ابن عبدہ) رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار کیا ہے اور جو تاثرات انھیں پیدا ہوئے ہیں اس موقع پر جب وہ نہج البلاغہ کے درس میں منہمک اور بلاغت کی منزل کے سالک تھے اس کے بعد کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اگر خود

شیخ ابن عبدہ بلاغت میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گئے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ متاخرین میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے موصوف ہی بہترین انشا پرداز تھے اور خود موصوف نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اگر تم انشا پرداز بننا چاہتے ہو تو امام امیر المومنینؑ علی کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے روشن کلمات کو اپنے لئے چراغ ہدایت قرار دو اور ایک مرتبہ مجھ سے شیخ ابراہیم یازجی نے جو اس دور اخیر میں متفقہ طور پر کامل انشا پرداز عربی نے اور امام اساتذہ لغت مانے گئے ہیں فرمایا کہ ''مجھے اس فن میں جو اتنا کمال حاصل ہوا۔ وہ صرف مطالعہ سے قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانہ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور سرمایہ ہیں طالبان علم ادب کے لئے اور کیا ممکن ہے بھلا کوئی ادیب اپنے مقصد کو اس زبان کے کمالات میں حاصل کر سکے جب تک وہ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ میں رات رات بھر بیدار نہ رہا ہو۔

۲۔ فوادافرام بستانی، استاذ الاداب العربیہ فی کلیۃ القدیس یوسف (بیروت) بڑے درجہ کے عیسائی ادیب اور محقق مورخ ہیں۔

انھوں نے ایک سلسلہ تعلمی کتابوں کا '''روائع'' کے نام سے شائع کیا ہے جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات، مصنف کے حالات، کمالات کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دیے ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی پریس (بیروت) میں شائع ہوئے ہیں اس سلسلہ کا مجموعہ امیر المومنین اور نہج البلاغہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق تمہیدی مقدمہ میں جو مولف کے قلم سے تحریر کیا ہے۔

اننا نبدأ الیوم بنشر منتخبات من نہج البلاغة للامام علی بن ابی طالب اول مفکری الاسلام۔

سب سے پہلے ہم اس سلسلہ کی ابتدا کرتے ہیں کچھ انتخابات کے ساتھ نہج البلاغہ کے جو اسلام کی سب سے پہلے مفکر امام علی بن ابی طالب کی کتاب ہے، اس کے بعد وہ حصہ شروع ہوا ہے جو سلسلہ روائع کی پہلی قسط ہے۔

اس کا ٹائیٹل پیج حسب ذیل ہے۔

علیؑ بن ابی طالب

نهج البلاغه

درس و منتخبات

بقلم

فوادافرام البستانی

استاذالاداب العربیة فی کلیة القدیس یوسف جمیع الحقوق محفوظة للمطبعة۔

المطبعة الکاتولیکیة ۔ بیروت

۱۹۲۷

اس کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے جس کی تمہیدی چند سطریں حسب ذیل ہیں۔

علی بن ابی طالب

۶۰۰۔۶۶۱

لعلی بن ابی طالب شخصیة جذابة حامت حولها اقلام الرواة والمؤرخین واجتهد فی فهمها عقول النقادالمفکرین واهتدت بهدیها میول الزّهاد والسالکین وسار تحت لوائها الجمّ الغفیر من المتأد بین ولم تکن الارآء المختلفة والنظریات المتباینة والمجادلات العدیدہ بین السنیین والشیعیین علی کرور الایام الالتذید الرجل سموا وعقلیته بروزا من خلال غشاء المنازعات المتکاتف حینا والشاقّ احیانا فمن هو هذا الرجل العظیم وما هی قیمة رجل الادب۔

علی بن ابیطالبؑ ولادت ۶۰۰ء وفات ۶۶۱ء

علیؑ بن ابی طالب کی ایک جذاب (خاص کشش والی) شخصیت ہے جس کے گرد رواۃ حدیث اور مورخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں۔ اور ناقدین ومفکرین کے عقول اس

شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اور زہاد وارباب سلوک کے توجہات، ان کی سیرت اور طرز زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اوران کے علم کے سایہ میں ارباب ادب کی بڑی جمعیت چلتی رہی ہے مختلف اقوال اور جداگانہ نظریات اور کثیر التعداد مناظرات جو بامتداد زمانہ سنی اور شیعی فرقوں میں رہا کئے ہیں وہ اس انسان کی بلندی میں اضافہ ہی کرتے رہے۔ اور اس کے کمالاتِ عقلیہ کی نمائش ان منازعات کے پردوں سے جو کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہا کیے ہیں زیادہ ہی ہوتی رہی ہے۔ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ عظیم الشان انسان کون ہے اور علم ادب کا مخصوص انسان کیا قدر وقیمت رکھتا ہے۔

اس کے بعد عناوین کے تحت میں امیر المومنینؑ کی سیرت اور حضرت کے خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ایک عیسائی کی تحریر ہونے کے سبب پورے طور سے شیعی نقطہ نظر کے موافق نہ ہو لیکن پھر بھی حقیقت وانصاف کے بہت جو ہر اپنے دامن میں رکھتی ہے۔موضوع کی اجنبیت کو دیکھتے ہوئے یہ مقام مقتضی نہیں ہے۔ ورنہ ضرورت ہے کہ اس تحریر کا پورا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جائے عناوین کتاب کے حسب ذیل ہیں۔

نشأة غيرته وشجاعته يهماته وأماله. بعد موت النبى فيتورهمّة على خلافة على المبايعة والمعارضة معركة الجمل. معركة صفين. اثارة. شخصية على الادبية دورالشعور. دورالمخيلة . دورالعقل.

غرض اسی طرح عناوین قائم کئے گئے ہیں اور اپنے فہم کے مطابق امیر المومنینؑ کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک اجنبی شخص کے قلم سے خوش آیند ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اگر چہ نہیں کہیں اس میں نظر کی غلطی اور بھول چوک کا نمونہ بھی نظر آجائے۔

مذکورہ بالاعناوین پر ایک حد تک سیر حاصل بحث کرتے ہوئے مصنف نے عنوان قائم کیا ہے۔

''نہج البلاغہ'' اور دوسرا عنوان ''جمعہ'' یعنی اس کتاب کی جمع وتالیف اس کے تحت میں تحریر کیا ہے۔

قال المسعودى عن خطب على بن ابيطالب انهافى سائر مقاماته اربعمأته خطبة ونيف وثمانون يوردها على البديهة تداول الناس ذلك عنه قولا وعملا ومازال الناس يتداولون ذلك حتى قام الشريف الرضى فجمع كل مانقل عن الامام من خطب ورسائل ومواعظ فضمنها كتابا واحدا سماه "نهج البلاغه" انتهى من تاليفه فى رجب ۴۰۰ھ (اذار ۱۰۱۰) بعدان ترك اورا قابيضا فى اخر كل باب رجآء ان يقف على شئى بعدالجمع فيد رجه فى المحل الذى يناسبه والشريف الرضى من سلالة على اسمه محمد بن طاهر بن الحسين بن موسى بن ابراهيم المرتضى بن موسى الكاظم ولد ۹۶۹ء وتوفى ۱۰۱۵ء ويعرف ايضا بالمرتضى لقب احد اجداده وبالشريف الموسوى كان من اشهر ادبآء عصره وله ديوان شعر معروف۔

مسعودی نے حضرت علیؑ کے خطبوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ آپ کے تمام مواقع زندگی میں کچھ اوپر چار سو اسی خطبے ہیں جن کو حضرت نے فی البدیہہ ارشاد کیا تھا۔ اور لوگوں نے آپ سے سینہ بسینہ ان کو نقل کیا۔ یہ خطبے برابر لوگوں میں شائع رہے یہاں تک کہ شریف رضی کا زمانہ آیا۔ اور انھوں نے جو کچھ امام کے خطبے اور خطوط اور مواعظ راویوں کی زبان سے نقل ہوئے تھے۔ سب کو یکجا مجتمع کر دیا اور ایک کتاب میں محفوظ کر کے اس کا نام رکھا'' نہج البلاغہ'' جس کی تصنیف سے وہ رجب ۴۰۰ھ میں فارغ ہوئے اور انھوں نے ہر باب کے آخر میں کچھ اوراق سادہ رکھے اس امید میں کہ جمع وتالیف کے بعد شاید کچھ اور دستیاب ہو تو وہ اس کی مناسب جگہ پر درج کیا جا سکے۔ اور شریف رضی مذکور

حضرت علیؑ کی اولاد میں تھے۔ ان کا نام تھا محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ ابن امام موسیٰ کاظمؑ ولادت ان کی ۹۶۹ء میں اور وفات ۱۰۱۵ء تھی اور اپنے دادا (ابراہیم مرتضیٰ) کے نام پر کبھی ان کو مرتضیٰ بھی کہا جاتا تھا اور شریف موسوی سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ کے بڑے مشہور ادیب تھے اور ان کا ایک دیوان مشہور و معروف ہے۔

اس کے بعد عنوان قائم کیا ہے ''صحۃ نسبتہ'' یعنی اس کتاب کی صحت سند اس کے تحت میں لکھا ہے۔

لم یمر زمن علی جمع الکتاب حتیٰ شك قوم من النقاد والمورخین فی صحة نسبته وکان فی مقد متهم ابن خلکان فنسبه الی جامعه وتبعه علی هذا لقول الصفدی وغیره فتغلغل الشك بین القوم الی الیوم وکان تسمیة الشریف الرّضی بلقب جدّه المرتضی لبست علی بعض المورخین التمییز بینه وبین اخیه علی بن طاهر المعروف بالمرتضی (۹۶٦-۱۰۴۴) فنسبو الی هذا الاخیر جمع نهج البلاغة کما فعل جرجی زیدان وزاد غیرهم کالمستشرق کلیمان فجعل المرتضی مؤلف الکتاب ونحن اذا تدبرنا اسباب الشك نراها ترجع الی خمسة امور۔

نہج البلاغہ کی جمع و تالیف کو زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ بعض ارباب نظر اور مورخین نے اس کتاب کی صحت سند میں شک کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سب کا پیشرو ابن خلکان ہے جس نے اس کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور پھر شریف رضی کے بسا اوقات ''مرتضیٰ'' کہے جانے نے جو ان کے دادا کے لقب کی مناسبت سے تھا۔ بعض لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف سید مرتضیٰ (متولد ۹۶٦ء متوفی ۱۰۴۴ء) میں تفرقہ نہ سمجھ سکے اور انھوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کر دیا جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے، اور بعض لوگوں نے جیسے مستشرق کلیمان نے طرہ یہ کیا کہ کتاب کا اصل مصنف سید مرتضیٰ کو قرار دے دیا۔ ہم جب اس شک کے وجوہ و اسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ امر قرار پاتے ہیں۔

(۱) ان فی نهج البلاغة من الافکار السامیة والحکم الدقیقة مالا یصح نسبته الی عصر علی۔

(۲) ان فیه من التعریض بالصحابة مالا یصدر عن رجل فاضل کعلی۔

(۳) ادعاء علم المغیبات وهو لایکون فعل رجل عاقل۔

(۴) الوصف الدقیق۔

(۵) صناعة السجع والتنمیق التی لم یتعوّدها اهل ذلك العصر۔ ولیس فی اکثر هذه الاسباب مایقف عثرة فی سبیل صحة نسبته الکتاب۔ فاما سمّو الافکار ودقة الحکم واصابة المعنی فانها فی کل عصر اذهی ناتجة عن الاختبار البشری مرافقة لهذه الحیٰوة فی تجاریبها وقد رأینا فی حیٰوة المؤلف واحزانه الکثیرة وخیبة آماله موادّ فرة للتأ ملات العدیدة والنظریات العمیقة فضلا عن ان علیا حفظ القرآن بمافیه من الآیات وکان عالما فاکثر رجال عصره بکثیر من الحکم البلیغة الموجودة فی التوراة والانجیل فامکنه الاستقاء منها وانما التعریض بالصحابة فانه لشئ طبیعی فی ابن آدم ان یتأ فّف ویتالم اذ یرمی نفسه ممنوعا من نیل مراده مصروفا عن حقه والانسان مهما تقدم فی الصلاح یظلّ انسانا ضعیفا عرضة العوامل الطبیعة البشریة۔

واماعلم المغیبات فلا نتعرض له وهو لیس باحسن مافی نهج البلاغه۔

واذا دققنا فی الوصف و کماله واجل مظهر له فی نهج البلاغة خطبة الخفاش والطاؤس نحکم انه سبب فاسد لان من اخص صفات الشعر الجاهلی والمخضرم اتمام الوصف وتتبع هیئات الموصوف الی اٰخرها۔

نری ذلك فی شعر الشنفری وامرئ القیس وعنترة وبشیر بن عوانة من الجاهلیین وعمر بن ابی ربیعة وامثاله من صدر الاسلام وکلهم یجارون علیا زمانا ومکانا۔

ونکاد نقول القول نفسه من السجع لولا الخطبة المعروفة بالشقشقیة وهی من اسباب الشك عند الکثیرین علی انه یروی ابن ابی الحدید اشهر شارحی نهج البلاغة عن بعض مشایخه ان الشقشقیة کانت معروفة قبل مولد الرّضی۔

(۱) یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفی رموز ہیں جو حضرت علی کے زمانہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس میں صحابہ کے متعلق ایسے تعریضات ہیں جو حضرت علی ایسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۳) غیب کی باتوں کے علم کا دعوی اور یہ کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔

(۴) کسی بات کا وصف بیان کرنے میں موشگافی۔

(۵) سجع وقافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی۔

لیکن یہ تمام اسباب ایسے ہیں کہ وہ اس کتاب کی صحت سند میں سدراہ نہیں ہو سکتے۔ پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی یہ ہر زمانہ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ انسان کے غور وفکر اور زمانہ کے حالات سے تجربہ کے ساتھ سبق آموزی پر مبنی ہے۔ اور مصنف (یعنی حضرت علیؑ) کی زندگی اور حضرت کے مختلف مصائب اور رنج وغم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب اور مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کے غور وفکر کی قوت زیادہ ہو جائے اور آپ حالات زمانہ میں تامل اور گہری فکر سے کام لیں اس کے علاوہ آپ قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ تھے۔ اور پھر اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کی طرح آپ ان فلسفی اور حکمی باتوں سے بھی مطلع تھے جو توریت وانجیل میں مذکور ہیں، اور اس لئے آپ کو ان سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا۔ (اس عبارت میں تبصرہ نگار کے عیسائی مذہب کے جذبات بہت زیادہ کارفرما نظر آتے ہیں۔)

دوسری بات یعنی صحابہ کے متعلق تعریض یہ تو انسان کا فطری خاصّہ ہے کہ وہ اف کہے اور رنجیدہ ہو۔ جب اپنے تئیں اپنے مقصد سے علیٰحدہ اور اپنے حقوق سے محروم ہوتے دیکھے۔ انسان جتنا بھی بلند مرتبہ ہو لیکن پھر بھی انسان ہے اور انسانی خصوصیات سے علیٰحدہ نہیں ہو سکتا۔

رہ گیا علم مغیبات اس کے متعلق ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے (بیشک ایک عیسائی کو اس بارہ میں سکوت ہی اختیار کرنا چاہئے) اور یہ حصہ یعنی غیب کی چیزوں کا باب نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا ہے کہ اس کی نسبت خاص طور سے بحث کی جائے۔

اس کے بعد آخری وجہ یعنی وصف میں موشگافی اور اس کا نمایاں نمونہ خطبہ خفاشیہ اور طاوسیہ ہے اس کے لئے بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط ہے اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت اور پھر درمیانی دور کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حد کمال پر ہوتا ہے۔ اور موصوف کی ہیئت اور اس کی شکل کے تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے یہ بات ہم کو شنفری اور امراء القیس اور عنترہ اور بشر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانۂ جاہلیت کے شعراء ہیں اور عمر بن ابی ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو صدر اسلام کا شاعر ہے۔ اور یہ سب زمان ومکان کے اعتبار سے حضرت علیؑ سے قرب رکھتے ہیں۔

اور یہی ہمارا فیصلہ ہے آخری وجہ یعنی سجع وقافیہ اور عبارت آرائی کے متعلق بیشک سب سے بڑا سبب بہت سے

لوگوں کے شک کا خطبہ شقشقیہ ہے۔ حالانکہ ابن ابی الحدید جو نہج البلاغہ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کی زبانی کہ خطبہ شقشقیہ سید رضی کی ولادت کے قبل سے مشہور ومعروف تھا۔

اس کے بعد بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

هذا وانه لمن الفضول الافاضة بذكر بلاغة هذا التاليف والفائدة الجمة الناتجة عن دراسته فهو كما قال الشيخ محمد عبده حاو جميع ما يمكن ان يعرض للكاتب والخاطب من اغراض الكلام فقد تعرض للمدح والذم الادبي والترغيب في الفضائل والتنفير من الرذائل والمحاورات السياسية والمخاصمات الجدلية وبيان حقوق الراعي على الرعية وحقوق الرّعية على الرّاعي واتى على الكلام في اصول المدينة وقواعد العدالة وفي النصائح الشخصية والمواعظ العمومية او كما قيل بتعبير اوجز وتأثير اوفر هو تحت كلام الخالق وفوق كلام المخلوق"۔

اس کتاب کی فصاحت وبلاغت اور اس کے درس وتدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے۔ اسلئے کہ حقیقۃً جیسا کہ شیخ محمد بن عبدہ نے کہا ہے ''یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام ان اغراض ومقاصد کو جو کسی انشا پرداز یا مقرر کو اپنی تحریر وتقریر میں پیش نظر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں مدح، مہذبانہ مذمت، فضائل ومحاسن میں ترغیب، بری باتوں سے اظہار نفرت، سیاسی خیالات، مجادلانہ مکالمات حاکم کے حقوق بذمہ رعیت، رعیت کے حقوق بذمہ حاکم سب کچھ موجود ہیں۔ پھر تمدن کے اصول عدالت کے قواعد، انفرادی نصائح اور عمومی مواعظ سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں۔ مختصر اور مؤثر لفظوں میں وہی ہے جیسا کہا گیا ہے کہ خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔

اس کے علاوہ اگر انسان کتب تاریخ وسیر کی سیر کرے تو اسے جستہ جستہ نہج البلاغہ مندرجہ خطب وکتب کے اقتباسات اتنی کثرت سے مختلف مستند اسلامی کتب میں دستیاب ہوں گے جن کے بعد اگر وہ منصف مزاج اور حقیقت پرور ہے تو کبھی علامہ سید رضیؒ کی طرف کسی بدگمانی کا تو ہم بھی نہ کرے گا بلکہ وہ یقین کرلے گا کہ انھوں نے یہ تمام علمی وادبی ومذہبی مواد مختلف مستند اسلامی کتب سے تتبع کے ساتھ جمع کیا ہے بلکہ بنظر احتیاط اس میں بھی انتخاب اور انتخاب در انتخاب کے اصول کو محفوظ رکھا ہے۔

کامل ابن اثیر طبری، مروج الذہب وغیرہ میں اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔

نجف اشرف کے علامہ شیخ ہادی کاشف العظام دام ظلہٗ جو ایک متبحر اور وسیع النظر عالم ہیں انھوں نے ''مستدرک نہج البلاغہ'' یعنی امیر المومنین کے خطب وکتب وکلمات جو نہج البلاغہ میں درج ہونے سے رہ گئے تھے) کی جمع وتالیف کے سلسلہ میں ''مدارک نہج البلاغہ'' کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے اور اس میں نہج البلاغہ کے تمام مندرجات کو جو دوسرے کتب میں ہیں اور وہ زیادہ تر نہج البلاغہ کے قبل کے ہیں تلاش کر کے ان کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔

نہج البلاغہ کے داخلی اسلوب اور طریقہ تالیف کو جو کوئی شخص دیکھے وہ اس شرط کے ساتھ کہ متعصب ''معاند'' ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو ذاتی حیثیت سے یہ یقین کرلے گا کہ اس کتاب میں جمع وتالیف یعنی متفرق مواد کو مجتمع کردینے کا کام انجام دیا گیا ہے اور اس میں کسی تصنیف یا ذاتی تحریر کا پتہ بھی نہیں ہے۔

یہ بھی شعبہ بہت وسیع ہے اور اس میں اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ میں نہج البلاغہ کا تتبع کر کے وہ مقامات پیش کردوں جہاں اس قسم کے خصوصیات نمایاں ہیں جو کتاب کی تالیفی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر سردست اس جزو کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

علامہ سید رضی کی طرف سے جہاں جہاں بطور حل لغات یا

تبصرہ کے مختلف حواشی اور تذییلات تحریر ہوئے ہیں ان کی اور نہج البلاغہ کے متن کی عبارت میں عظیم اختلاف جو ایک ساتھ انسان کی نظر کے سامنے دو مختلف نمونے پیش کر دیتا ہے۔ اور ایک طرف کتنا ہی جلیل القدر اور علم ادب میں گرانمایہ سہی لیکن انسان کا کلام اور دوسری طرف مافوق کلام المخلوقات اور ماتحت کلام الخالق، کلام انسان کی نظر کو اپنے تفرقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ کر لیتا ہے جس کے بعد ایسا ہی عقل کا نابینا ہو تو وہ کہے کہ اس کلام کا مصنف یہی شخص ہے جس کی طرف جمع و تالیف کی نسبت دی جاتی ہے۔

پھر سید رضیؒ کے دیگر تصانیف جیسے ''مجازات النبیؐ''، ''خصائص الائمہ''، ''حقائق التنزیل'' وغیرہ جو فعلاً کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں اور اس کتاب (نہج البلاغہ) کے اسلوب تحریر، انداز بیان اور پایۂ و مرتبہ میں موازنہ یہ ایک مستقل حقیقت رسا ذریعہ ہے جو شکوک کے لئے خرمن سوز بجلی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان سب کے بعد علامہ رضیؒ کی جلالت و رفعت، امانت و دیانت، صداقت و حقانیت جس کے دوست و دشمن سب ہی معترف ہیں اور شیعوں کے علاوہ ان کے زمانہ والے اور بعد کے علمائے اہلسنت کی کتابیں ان کے بارے میں رطب اللسان ہیں اور عباسی خلیفۃ المسلمین کی طرف سے ان کا نقابت اشراف کا عہدہ جو انتہائی جلیل القدر منصب کی شان رکھتا ہے اور پھر دارالسلام بغداد ایسے دارالخلافت اور سنی مرکز علم و حدیث میں ان کا قیام اور معاصرین کی رقیبانہ و ناقدانہ دیکھ بھال ایسی ذمہ دارانہ حیثیت کے شخص کی نسبت ان اسباب و حالات کی موجودگی میں یہ خیال کس قدر حقیقت سے دور اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ اس نے ایک پوری کتاب تصنیف کر کے ایک تاریخی مذہبی بلند ہستی یعنی امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کی طرف منسوب کر دی پھر نہ بغداد کی فضا میں کوئی انقلاب ہوا نہ اس کے خلاف کوئی احتجاج کیا گیا نہ کسی قسم کی تنبیہ کی نوبت آئی۔ یہ ہرگز عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔

ہم جہاں تک دیکھتے ہیں علامہ سید رضیؒ کے زمانہ اور اس کے ایک عرصہ بعد تک کوئی آواز نہج البلاغہ کی صحت کے خلاف بلند نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ خود سید رضیؒ کی تصنیف ہے۔

بیشک سب سے پہلے مورخ ابن خلکان ہیں جنھوں نے کتاب کے مضامین کو دیکھ کر ان کے امیر المومنین کی زبان کا کلام ہونے میں شک کیا ہے اور لاعلمی کی حیثیت سے اس کو خود سید رضیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ لاعلمی کے اوپر مبنی ہونے والی نفی کسی طرح اس ثبوت کے مقابل نہیں آسکتی جو یقینی اور قطعی دلائل کا نتیجہ ہو۔ انکار یا اعتراض کرنے والوں کے بیانات کو جب دیکھا جاتا ہے تو ان میں صاف نظر آتا ہے کہ یہ انکار کسی محققانہ جستجو اور کاہش و کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان معترضین نے اکثر خود نہج البلاغہ کو اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی ہے۔ ان کے مضطربانہ دوراز کار بیانات ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اندھیرے میں تیر اندازی ہو رہی ہے۔

لطف یہ ہے کہ جدید زمانہ کے بہت سے مدعیان تحقیق نے بھی آنکھ بند کر کے ٹٹولتے ہوئے راستہ چلنا اچھا سمجھا ہے اور بلند بانگ دعوائے حقیقت کی ذمہ داریوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

جرجی زیدان ایسا شخص جو ''تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ'' کے ایسے موضوع پر قلم اٹھانے بیٹھا ہو وہ نہج البلاغہ کے متعلق کلام امیر المومنین ہونے میں اظہار شک کے ساتھ اس کے جمع و تالیف کو جناب سید مرتضی علم الہدی کی طرف منسوب کر دے جو سید رضیؒ کے بھائی اور ان سے تین برس بڑے ذوالثمانین کے لقب سے ملقب اور شافی، تنزیہ الانبیاء۔ انتصار وغیرہ کے مصنف ہیں اور سید رضی کے انتقال کے ۲۹ برس بعد تک زندہ رہے ہیں حالانکہ یہ خیال علاوہ اس تواتر سماعی کے جو ہر کتاب کے اس کے مصنف کی طرح صحیح طور سے منسوب کئے جانے کا واحد ذریعہ ہے اور نیز نہج البلاغہ کے قریب اور مصنفین کے تحریرات سے (کہ وہ چاہے ان کے کلام امیر المومنینؑ ہونے میں شک کریں مگر ان کی جمع و تالیف کو سید رضی کی طرف نسبت دینے پر متفق ہیں)

خود نہج البلاغہ کے مطالعہ سے بھی غلط ثابت ہوا اس لئے کہ اس میں ''خصائص الائمہ'' کا حوالہ موجود ہے اس طرح کہ اس کو ہم نے خصائص الائمہ میں لکھا ہے اور کتاب خصائص باتفاق کل علامہ سید رضی ہی کی کتاب ہے۔ سید مرتضیٰؒ کی نہیں ہے۔

کتاب منتخب فی تاریخ آداب العرب جو عطایا دمشقی کی تصنیف ہے اور مصر میں ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی ہے اس کے صفحہ ۴۰ پر امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے حالات میں مذکورہ بالا تحقیق میں ترمیم کرکے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے اور عجیب وغریب گہرافشانی کی ہے جو نذر ناظرین ہے۔

الخليفة اميرالمومنين على بن ابى طالب توفی ۶۶۳ء وقد اشهر فى الجليل الاول من الهجرة بعلمه وشعره وله مجموع مائة حكم ترجم الى الفارسية والتركية وكتاب نهج البلاغة وهو مجموع خطب ومواعظ وينسبون له ديوان شعر يدعى انوار العقول والصحيح ان بعض هذه الحكم والمواعظ والعقائد هو من تاليف ونظم الخليفة على ولكن اكثر هما كمايظنه المحققون من العلمآء من قلم احدالشعرآء من نسله وهوالامام شريف مرشدالمتوفى ۱۰۴۲ء۔

خلیفہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب، آپ کی وفات ۶۶۳ء میں ہوئی ہے اور آپ اسلام میں اپنے علم اور شاعری کے سبب سے بہت مشہور ہو گئے تھے۔ اور آپ کا ایک مجموعہ ہے حکیمانہ اقوال کا جس کا فارسی اور ترکی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اور نہج البلاغہ ہے کہ جو مجموعہ ہے خطب اور مواعظ کا۔ اور ایک دیوان اشعار کا بھی آپ کی طرف منسوب ہے جس کا نام ہے انوار العقول اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض حکم اور مواعظ اور تقاریر تو تالیف اور نظم خلیفہ علیؑ کی ہیں لیکن اکثر ان میں سے جیسا کہ محققین علماء کا خیال ہے وہ آپ کی نسل کے ایک شاعر امام شریف مرشد کی تصنیف ہیں جن کا انتقال ۱۰۴۲ء میں ہوا۔

واہ سبحان اللہ کیا کہنا اس تاریخی تحقیقات کا جس پر علم و تحقیق آٹھ آٹھ آنسو روئیں۔ کتب رجال، تراجم علما وتواریخ اسلام سامنے ہیں ذرا دیکھا تو جائے کہ یہ شریف مرشد کون ہیں جن کی طرف اس کتاب کو منسوب کیا جا رہا ہے۔ اور پھر کاش اپنا خیال درج کیا ہوتا۔ مگر قیامت تو یہ ہے کہ محققین علماء کی طرف نسبت دی ہے۔ اب یہ محفل محققین دیکھنے کے قابل ہے جو مصنف کے عالم خواب میں مرتب ہوئی تھی اور جو ممنون تعبیر بھی نہیں ہے۔ کیا ایسے ہی کمزور متزلزل بے اصل خیالات سے ان قطعی اور یقینی دلائل اور اقوال علماء کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو نہج البلاغہ کی صحت کے متعلق سابق میں درج کئے گئے۔

❁❁❁

قطعات

آنجہانی برج ناتھ پرساد صاحب مخمور لکھنوی

وفا کی راہ چلتے ہیں وفا کی روشنی والے
کلامِ حق بھی پڑھ لیتے ہیں آیاتِ جلی والے
مسلماں تو نہیں ہیں ہم مگر اتنا سمجھتے ہیں
در جنت سے واپس آ نہیں سکتے علیؑ والے

❁❁❁

آنکھیں کہتی ہیں کہ تیرے نور کو دیکھا کریں
ہونٹ کہتے ہیں کہ تیرے نقش پا چوما کریں
من کے مندر میں بٹھا کر تجھ کو اے سبط نبیؐ
دل یہ کہتا ہے کہ تیری عمر بھر پوجا کریں

❁❁❁

ہم اپنا نام اور اپنی عقیدت کو بتا دیں گے
جو پردا ظاہری دنیا سمجھتی ہے اٹھا دیں گے
ہمیں جنت میں جانے سے اگر رضوان روکے گا
تو سینے پر نشانِ ماتمِ سرورؑ دکھا دیں گے

❁❁❁